مسئلہ

ارسال الیدین بعد الرکوع

(رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنا)

حافظ عبد الرحمن ازھر

عبداللہ امرتسری روپڑی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ

ارسال الیدین بعد الرکوع

(رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنا)

مصنفہ

حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی

ناشر

مکتبہ تنظیم اہلحدیث نزد چوک دالگراں رام گلی ۵ لاہور

طابع ـــــــــــــ حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی

مطبع ـــــــــــــ البلاغ پریس لاہور

تعداد ـــــــــــــ ایک ہزار

قیمت ـــــــــــــ ۶۲ پیسے نئے یا ۱۰ آنے

کتابت ـــــــــــــ محمد اسماعیل خوشنویس

مکتبہ تنظیم اہلحدیث نزد چوک دال گراں رام گلی نمبر ۵ لاہور

پیش لفظ

میں نے تفسیر، حدیث اور فنون کی ابتدائی کتابیں امرتسر مدرسہ غزنویہ وغیرہ میں پڑھیں۔ فنون کی تکمیل باقی تھی۔ اس سلسلے میں عازم دہلی ہوا۔ میاں صاحب (سید نذیر حسین صاحب) میرے دہلی پہنچنے سے آٹھ سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ میں ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء کو دہلی پہنچا۔ اور ان کی وفات ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔ دہلی پہنچنے سے پہلے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے متعلق لوگوں میں کہیں ذکر اذکار نہیں سنا جب دہلی پہنچا تو وہاں اس کا خاصہ چرچا تھا۔ وہاں ایک رسالہ بھی میری نظر سے گزرا جس کا نام "اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع" ہے جو مولوی قاضی یوسف حسین صاحب برادر قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری کا لکھا ہوا ہے، جو ضلع ہزارہ تحصیل ہری پور قصبہ خان پور کے رہنے والے تھے۔ پھر دہلی منتقل ہو گئے۔ اور دہلی میں ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں انہوں نے رسالہ مذکورہ تصنیف کیا اس رسالے کا عملاً تو لوگوں پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ ہاں اس وقت سے یہ مسئلہ زیر بحث آ گیا۔ اور بعض لوگ اس کے متعلق پوچھ پاچھ کرنے لگے۔ کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے متعلق قرآن و حدیث کا فیصلہ کیا ہے؟ میں نے دہلی میں قریباً تین سال قیام کیا دہلی میں قیام کے دنوں میں میرا علی گڑھ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب اور ان کے چند مریدوں نے اس مسئلہ کے متعلق ایک اور نئی صورت اختراع کی ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سجدہ جانے تک ہاتھ اٹھائے رکھتے۔ نہ باندھتے اور نہ لٹکاتے۔ میں چونکہ تحصیل علم میں مصروف تھا۔ اس لیے ان دونوں مسئلوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ ایک ماہ بعد میں دہلی واپس آیا اور بدستور تحصیل علم میں مصروف

ہو رہا۔

۱۹۱۳ء کے اخیر میں یکایک مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی مرحوم کی خبر وفات پہنچی۔ چونکہ شروع سے میرے مربی وہی تھے۔ قریباً دس سال کی عمر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سات آٹھ سال ان کے پاس گزارے۔ ظاہری و باطنی فیوض پائے۔ دینیات کی تکمیل کر کے سند لی۔ اس لیے ان کی جدائی کا صدمہ میرے لیے خصوصیت سے ناقابل برداشت تھا۔ آخر رضا بالقضا کا مسئلہ دل کی ڈھارس بنا اور طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا۔ لیکن جی اداس رہتا۔ اس لیے طبیعت نے فیصلہ کیا کہ جلد واپس ہونا چاہیے۔ فنون کی کچھ کتابیں باقی تھیں۔ دہلی میں ان کی تکمیل جلدی نہ ہو سکنے کی وجہ سے ریاست رام پور چلا گیا۔ وہاں مدرسہ عالیہ (نواب صاحب) میں ایک سال تعلیم پائی اور وہیں مولوی فاضل اور درس نظامی کی دو ڈگریاں حاصل کیں۔

۱۹۱۴ء میں جب فارغ ہو کر امرتسر آیا اور اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں روپڑ مقیم ہو گیا۔ تو اس وقت اس مسئلے (رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے) کی تحریک مدہم ہو چکی تھی۔ یعنی پوچھ پاچھ بھی قریباً ختم ہو گئی تھی۔ اس لیے اس وقت بھی میری اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں مولوی بدیع الدین صاحب پیر جھنڈا سندھی نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے متعلق سندھی زبان میں ایک رسالہ شائع کیا جو متن و عکس رسالہ مذکورہ (اتمام الخشوع) کی جابجا نقل تھی۔ اس سے یہ مسئلہ پھر زیر بحث آ گیا۔ اور اس کے متعلق بعض مقامات (ملتان وغیرہ) سے میرے پاس استفتاءات آئے۔ میں نے ان کا مختصر سا جواب لکھا۔ جو ہمارے اخبار ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" جلد ۱۲ شمارہ ۳۸۔۱۶ ذیقعد ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ پھر مشرقی پاکستان سے اس سال کچھ طلباء ہمارے مدرسہ میں تعلیم کے لیے "لاہور" آئے وہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے۔ لوگ ان کو دیکھ کر حیران ہوتے۔ اور بار بار پوچھنے کہ

ہاتھ باندھنا بھی کوئی مسئلہ ہے۔ اگر ہے تو ہم بھی اس پر عمل کریں۔ ورنہ آپ ان کو ہاتھ باندھنے سے روکیں۔ ان طلباء سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ بنگال میں ہمارے اساتذہ ہاتھ باندھتے ہیں۔ بنگال کے بعض علماء کو لکھا گیا۔ کہ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہم نے رسالہ " اتمام الخشوع " دیکھا۔ اس سے ہماری تسلی ہو گئی۔ کہ صحیح مسلک ہاتھ باندھنا ہے۔ آج تک کسی نے اس کا جواب نہیں لکھا۔ اگر کوئی اس کا جواب لکھے اور جو دلائل اس میں مذکور ہیں ان کو ناقابل عمل ثابت کر دے۔ تو ہم اپنے مسلک سے رجوع کریں گے۔ اس بنا پر خیال ہوا کہ اس مسئلے پر پوری روشنی ڈالی جائے اور فریق ثانی کے شبہات کا تسلی بخش جواب دیا جائے۔

چنانچہ یہ رسالہ (مسئلہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا) اسی سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ اس میں ان دونوں رسالوں مذکورہ کا مکمل جواب ہے اور مسئلے کی ساری شقوں پر مفصل بحث کی گئی ہے اور دوسرا مسئلہ یعنی رکوع کے بعد سجدہ میں جانے تک ہاتھ اٹھائے رکھنا۔ یہ تو علی گڑھ ہی میں دفن ہو گیا۔ اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں۔ تاہم مختصر سا جواب اس کا بھی ضمناً دے دیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق سمجھائے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور عمل میں اخلاص بخشے۔ آمین۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَعْمَالَنَا كُلَّهَا صَالِحَةً وَّاجْعَلْهَا لِوَجْهِكَ خَالِصَةً وَّلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِيْهَا شَيْئًا

حافظ عبد اللہ امرتسری روپڑی

لاہور۔

ربیع الآخر ۱۳۸۳ھ

ستمبر ۱۹۶۳ء

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

کہ ایک عالم اور امام مسجد کچھ دنوں سے بعد از رکوع قومہ میں مثل حالتِ قیام ہاتھ باندھتے ہیں اور اپنے اس فعل جدید کا استدلال نسائی شریف کی ایک حدیث اور دیگر اسی معنیٰ ومطلب کی دوسری چند احادیث سے فرماتے ہیں۔ نسائی کی مذکورہ حدیث شریف یہ ہے:۔

عن وائل رضی اللہ عنہ اذا کان قائمًا فی الصلوٰۃ قبض یمینہ علی شمالہ ۔ (الحدیث) مطلب یہ کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قیام کی حالت میں ہاتھ باندھتے تھے۔ اور چونکہ قومہ بھی نماز کا قیام ثانی ہے اس لیے ضروری ہے کہ قومہ میں بھی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا چاہیے۔"

پس آپ حضرات سے استفسار ہے کہ اس بارہ میں از روئے احادیث صحیحہ وصریحہ اور مرفوعہ وغیر مجروحہ قولِ فیصل کیا ہے؟ براہ کرم رہنمائی فرما کر مشکور فرما دیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

نیز اگر دلائل قاطعہ نقلیہ وعقلیہ سے ان کا یہ فعل جدید غلط اور خلافِ سنتِ نبویہ وصحابہ وتابعین ثابت ہو جائے تو اس حالت میں اس فعل کے قائل وعامل کے پیچھے ہماری اقتداء اور نماز جائز ہوگی یا نہ۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

احقر الناس محبوب احمد عفا اللہ عنہ

ملتان شہر

اس قسم کے سوالات متفرق جگہ سے بہت آئے ہوئے ہیں۔ سب کا مفہوم قریب قریب یہی ہے۔ مگر ایک سوال کے الفاظ بڑے زوردار ہیں۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ شاہ بدیع الدین صاحب سے اس مسئلے کی دلیل پوچھی گئی تو انہوں نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے اٹھ کر سینہ پر نیت باندھ لیا کرتے تھے۔ اور حوالہ ترمذی شریف و مؤطا امام مالک کا دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر کوئی اس کو غلط ثابت کرے تو اس کو مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد دیا جائے گا۔ آپ خدا کے واسطے شرع کے مطابق اس کا مدلل جواب پیش کریں۔ خدا تعالیٰ آپ کو ثواب دارین عطا فرمائے اور عمر دراز کرے۔ فقط والسلام

نور الٰہی

معرفت محمد اسماعیل اینڈ سنز۔ آئرن مرچنٹ

حیدر آباد۔ مغربی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْوَھَّابِ وَھُوَالْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

انسان کے وجود میں اصل دل ہے۔ کیونکہ انسانی معلومات کا ذخیرہ اسی میں ہے۔ مگر ان میں تصرف کرنے والی اور ان کو ادا کرنے والی زبان ہے۔ اسی بنا پر عبادات کی تین قسمیں کی جاتی ہیں۔ زبانی۔ بدنی۔ مالی۔ چنانچہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ کا یہی معنیٰ کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت دو قسمیں ہیں۔ بدنی اور مالی۔ کیوں کہ زبان بھی بدن ہی کا ایک جزو ہے۔ مالی عبادت اللہ کے حکم کے موافق مال کمانا اور اس کی رضا کے لیے خرچ کرنا خواہ اپنے اوپر خرچ کرے یا دوسروں پر۔ اور بدنی عبادت اللہ کی رضا کے لیے بدن کو اور اعضاء کو ٹھہرانا یا حرکت دینا ان میں طبعی امور بھی شامل ہیں۔ مثلاً خود کھائے یا بیوی بچوں کو کھلائے۔ یہ طبعی چیزیں ہیں۔ مگر جب شریعت کے دائرہ کے اندر ہوں اور خدائی حکم سمجھ کر کرے تو مالی عبادت ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیوی کے منہ میں جو تو لقمہ ڈالتا ہے۔ وہ بھی صدقہ ہے۔ اسی طرح بدن اور اعضاء کے ساتھ جو کچھ کرے وہ بدنی عبادت ہے۔ یہاں تک کہ بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی فرمایا ہے۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ اگر یہی خواہش غیر محل میں پوری کرتا جہاں شریعت کی اجازت نہیں۔ تو گناہ ہوتا۔ پس شریعت کے تحت خواہش پوری کرنا نیکی ہوگی۔

اس تمہید کے بعد اب نماز کو لیجیے۔ یہ بدنی عبادت میں سے دین کا ستون ہے اور حرکات و سکنات کا نام ہے۔ خواہ حرکات طبعی ہوں یا غیر طبعی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سر کو اونچا بنایا ہے خواہ انسان کھڑا ہو یا بیٹھا۔ اب رکوع کے لیے یا سجدہ کے لیے سر

جھکانا یہ اس کی غیر طبعی حرکت ہوگی۔ اور رکوع میں اور سجدہ میں ٹھہرائے رکھنا یہ اس کا غیر طبعی سکون ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں اس کو بلند کرنا اور بلندی کی حالت پر چھوڑ دینا یہ اس کی طبعیؔ حرکت اور طبعی سکون ہوگا۔ اسی طرح ہاتھ باندھنا اور باندھے رکھنا یہ غیر طبعی حرکت اور سکون ہوگا۔ اور چھوڑ دینا اور چھوڑے رہنا یہ طبعی حرکت اور طبعی سکون ہوگا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی۔ تو اب ایک اصول مسلمہ یاد رکھیے۔ وہ یہ کہ جس عضو کے متعلق کسی موقعہ پر کوئی ہدایت ہو تو اس کا اس ہدایت کے تحت رہنا عبادت ہے اور جہاں کوئی ھدایت نہیں۔ وہاں طبعی حالت ہی عبادت ہے۔ کیوں کہ ہر شے اپنی طبعی حالت پر رہتی ہے۔ جب تک وہاں سے ہٹانے کا کوئی مسبب نہ ہو۔ اور شریعت میں وہاں سے ہٹانے والی شے خدا رسول کا ارشاد ہے۔ پس اگر کوئی شرعی دلیل ہوگی تو اس کو وہاں سے ہٹا دیا جائے گا۔ ورنہ اپنی حالت پر رہے گا۔

نتیجہ یہ کہ ہاتھ باندھنا چونکہ غیر طبعی ہے۔ اس کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے۔ نہ چھوڑنے کے لیے۔ کیونکہ چھوڑنا طبعی ہے۔ اس بنا پر ہم نے بعد رکوع ہاتھ باندھنے کے ثبوت میں بہت غور و خوض کیا۔ جب کامیابی نہ ہوئی تو اپنی کتاب "تعلیم الصلوٰۃ" میں اور اپنے فتاوؤں میں بھی لکھا۔ کہ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے چاہییں۔ بعض احباب نے اس کی دلیل پوچھی۔ تو ان کو یہی جواب دیا گیا۔ کہ اس کو دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ طبعی امر ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ شارع کو علم ہے کہ یہ طبعی ہے اور یہ بھی علم ہے کہ طبعی اپنی جگہ سے ہٹائے بغیر نہیں ہٹتا۔ باوجود اس کے شارع کا اس سے سکوت فرمانا۔ اور ہٹانے کی ہدایت نہ فرمانا۔ یہی اس کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ یہ اصول مسلمؔ ہے کہ اَلسّکوت فی معرض البیان بیانؔ۔ یعنی جہاں

ؔ یہاں طبعی سے مراد طبعی حالت کی طرف لوٹنا ہے۔ خواہ حرکت ارادے سے ہو۔ ۱۲

بیان کی ضرورت ہو۔ وہاں سکوت ہی بیان ہے اور اسی بنا پر حدیث کی تین قسمیں مشہور ہیں۔ قولی[1]، فعلی[2]، تقریری[3]۔ قولی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور فعلی آپؐ کا عمل اور تقریری۔ کسی کام پر آپؐ کا سکوت یا زمانہ وحی میں کسی کام کا ہونا اور برقرار رہنا (شرح نخبہ وغیرہ) پس اس اصول کی بنا پر بھی رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنا اپنی جگہ مدلل ہے۔ پھر اس بارے میں صریح احادیث بھی ہیں جیسے مالک بن حویرثؓ کی حدیث کا ذکر ص۲۱ پر اور وائل بن حجرؓ کی حدیث کا ذکر ص۲۵ پر اور حضرت ابوبکرؓ[3] اور حضرت علیؓ کے آثار کا ذکر صفحہ ۳۶، ۳۷ وغیرہ پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب دلیل کی ضرورت صرف ہاتھ باندھنے کے لیے چاہیے۔ فریق ثانی نے اس کے ثبوت میں رسائل بھی لکھے۔ مگر کوئی تسلی بخش دلیل پیش نہیں کر سکے۔ بڑی دلیل ان کی ایک حدیث ہے جو مسند احمد جلد ۴ ص۳۱۸ پر ہے۔ مع اسناد درج ذیل ہے:۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ الْوَلِیْدِ حَدَّثَنِیْ سُفْیَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ كَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْهِ حِذَاءَ اُذُنَیْهِ ثُمَّ حِیْنَ رَكَعَ ثُمَّ حِیْنَ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ یَدَیْهِ وَرَاَیْتُهٗ مُمْسِكًا یَمِیْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ فِی الصَّلٰوةِ فَلَمَّا جَلَسَ حَلَّقَ بِالْوُسْطٰى وَالْاِبْهَامِ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْیُمْنٰى وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْیُسْرٰى۔

ترجمہ:۔ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ جب تکبیر کہی تو دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر اٹھائے۔ پھر جب رکوع کیا۔ پھر جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا۔ تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور

میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نماز میں نظامے (باندھے) ہوئے ہیں۔ پس جب آپ بیٹھ گئے۔ تو درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا اور سبابہ کے ساتھ اشارہ کیا۔ اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا۔ اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا۔"

اس حدیث میں ہاتھ باندھنے کا ذکر سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ہے۔ اس سے فریق ثانی استدلال کرتا ہے۔ کہ رکوع کے بعد بھی ہاتھ باندھنے چاہیے۔ لیکن وہ اس بات پر غور نہیں کرتے۔ کہ یہاں رَاَیْتُہٗ (میں نے آپ کو دیکھا) سے پہلے حرف واؤ ہے اور حرف واؤ میں ترتیب ضروری نہیں۔ بلکہ پہلی چیز کو بعد بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی حدیث میں سبابہ انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے کے بعد ذکر ہے کہ دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا اور بایاں بائیں پر۔ حالانکہ ہاتھوں کا رانوں پر رکھنا سبابہ کے ساتھ اشارہ کرنے سے پہلے ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ واؤ ترتیب کو نہیں چاہتی۔ نیز بخاری شریف جلد اول صـ۳۹ بَابُ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الْغُسْلِ میں ہے:۔

عَنْ مَیْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وُضُوْءَہٗ لِلصَّلٰوۃِ غَیْرَ رِجْلَیْہِ وَغَسَلَ فَرْجَہٗ وَمَا اَصَابَہٗ مِنَ الْاَذٰی ثُمَّ اَفَاضَ عَلَیْہِ الْمَآءَ ثُمَّ نَحّٰی رِجْلَیْہِ فَغَسَلَھُمَا ھٰذِہٖ غُسْلُہٗ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ:۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی طرح وضو کیا۔ سوا پاؤں اپنے کے اور دھوئی شرمگاہ اپنی۔ اور جو کچھ پہنچا تھا آپ کو نجاست سے۔ پھر اپنے اوپر پانی بہایا۔ پھر اپنے پاؤں (اس جگہ سے) علیحدہ کیے۔

پس ان کو دھویا۔ یہ آپ کا غسل ہے جنابت سے۔"

اس حدیث میں وضو کا پہلے ذکر ہے اور استنجا اور پلیدی دھونے کا ذکر بعد میں ہے۔ حالانکہ استنجا وضو سے پہلے ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ واؤ میں تقدم و تاخر ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ایسی مثالیں بہت ہیں۔ چنانچہ تیسرے پارہ رکوع ع-۱۲ میں ہے:۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝

"یعنی اے مریمؑ! اپنے رب کے لیے قیام اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔"

اس آیت میں قیام کے بعد سجدہ کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ رکوع سجدہ سے پہلے ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ واؤ کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اس لیے کوئی حرج نہیں۔ اور دوسرے پارہ رکوع ۸ میں ہے:۔ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ یعنی حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ اس آیت میں عمرے کا ذکر پیچھے ہے۔ حالانکہ عمرہ بالاتفاق پہلے جائز ہے بلکہ بہت "اہل حدیث" کے نزدیک افضل یہ ہے کہ حج تمتع کرے اور حج تمتع میں عمرہ پہلے ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے پارہ رکوع ۸ میں گائے ذبح کرنے کا ذکر کیا ہے جس کا سبب واقعۂ قتل تھا۔ لیکن گائے ذبح کرنے کا بیان پہلے ہے۔ اور واقعہ قتل کا ذکر پیچھے ہے۔ چنانچہ گائے ذبح کرنے کا ذکر کر کے فرمایا:۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا۔

یعنی جب تم نے ایک جان کو قتل کیا۔ پس اس میں تم نے اختلاف کیا۔ لیکن چونکہ واؤ کے ساتھ ذکر ہے۔ اس لیے پیچھے ذکر کرنے کا کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح بیسویں پارے کے چوتھے رکوع میں ہے۔ فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ (الآیۃ)

یعنی موسیٰ علیہ السلام کو (صندوق سے جو دریا میں بہایا گیا) آلِ فرعون نے اٹھا لیا اور فرعون کی بیوی نے کہا۔ کہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو قتل نہ کرو۔ امید ہے کہ یہ ہمیں نفع دے گا۔ یا اس کو ہم اولاد بنا لیں گے۔ اس کے بعد فرمایا۔ وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا۔ یعنی ہو گیا دل موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا خالی۔ یعنی تمام خیالات سے خالی ہو گیا سوائے موسے علیہ السلام کے خیال کے یعنی بہت بے قرار ہو گئیں۔ اس کے متعلق تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صـ۳۸۱ میں حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، ابو عبیدہؒ، ضحاکؒ، حسن بصریؒ اور قتادہؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ کہ یہ بے قراری اس وقت ہوئی جبکہ صندوق دریا میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے قبضے سے نکل گیا۔ (کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا گھر دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ صندوق کو بھی رسی سے باندھ رکھتیں۔ ایک دفعہ باندھنا بھول گئیں۔ صندوق بہہ کر فرعون کے محل کی طرف آ گیا) اب دیکھیے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کی بیقراری پہلے ہے۔ اور صندوق سے موسیٰ علیہ السلام کا نکالنا بعد ہے۔ لیکن چونکہ واؤ کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اس لیے آگے پیچھے ذکر کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔

اسی طرح پارہ ۲۶ رکوع آخری اور پارہ ۲۷ رکوع اوّل میں پہلے لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا۔ پھر قصہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا۔ پھر قوم عاد کا۔ حالانکہ قوم عاد پہلے ہے۔ اس کے بعد لوط علیہ السلام۔ اور ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام ہوئے ہیں۔ لیکن یہ قصے واؤ کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ اس لیے آگے پیچھے ہونے کا کوئی حرج نہیں۔ اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا اور مروہ کا طواف کرنے لگے۔ تو پہلے صفا پر پہنچے۔ تو فرمایا۔ نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰہُ بِہٖ پھر آیت پڑھی۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ۔ یعنی ہم اس چیز کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ جس چیز کے ساتھ اللہ نے شروع کیا۔ یعنی اللہ نے آیت اِنَّ الصَّفَا

وَالْمَرْوَةَ میں صفا کا ذکر پہلے کیا ہے۔ سو ہم بھی طواف صفا مروہ کا صفا سے شروع کرتے ہیں۔ اگر واؤ ترتیب کے لیے ہوتی تو آپ کو اس کے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ واؤ سے ہی سمجھا جاتا ہے کہ صفا سے شروع ہونا چاہیے۔ پس یہ بھی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ واؤ سے ترتیب سمجھنا غلط ہے

نوٹ: امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے اور باندھنے دونوں طرح جائز ہیں۔ شرح الزاد المستقنع میں ہے

اِذَا رَفَعَ الْمُصَلِّیْ مِنَ الرُّکُوْعِ فَاِنْ شَآءَ، وَضَعَ یَمِیْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ اَوْ اَرْسَلَهُمَا۔

یعنی جب نمازی رکوع سے سر اٹھائے تو اس کو اختیار ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے یا دونوں کو لٹکا دے۔

کشاف القناع عن متن الاقناع جلد اول صفحہ ۱۳۱ میں ہے

(ثُمَّ اِنْ شَاءَ اَرْسَلَ یَدَیْهِ) مِنْ غَیْرِ وَضْعِ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی (وَاِنْ شَاءَ وَضَعَ یَمِیْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ نَصًّا) اَیْ نَصَّ اَحْمَدُ عَلٰی تَخْیِیْرِهٖ بَیْنَهُمَا انتھی۔

یعنی (پھر رکوع سے سر اٹھانے کے بعد) اگر چاہے دونوں ہاتھ اپنے لٹکائے بغیر اس کے کہ رکھے۔ ایک ان دونوں کا اوپر دوسرے کے اور اگر چاہے رکھے دائیں کو اوپر بائیں کے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔"

اس کے علاوہ اور دیکھیے۔ شرح منتھی الارادات فی جمع المقنع مع التنقیح والزیادات جلد اول صفحہ ۱۹۹ میں ہے:-

(ثُمَّ) بَعْدَ رَفْعٍ مِنَ الرُّکُوْعِ (اِنْ شَاءَ وَضَعَ یَمِیْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ اَوْ اَرْسَلَهُمَا) بِجَانِبَیْهِ فَنَصَّ (نَصًّا)۔

یعنی پھر رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اگر چاہے دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھے
یا اپنی دونوں جانب دونوں ہاتھوں کو لٹکائے۔ امام احمد بن حنبل رح نے
دونوں باتوں کے اختیار ہونے کی صراحت کی ہے۔

قارئین کرام کو جب معلوم ہو گیا کہ امام احمد بن حنبل رح کے مذہب میں دونوں باتوں کا اختیار ہے اور یہ بھی قارئین کرام کو معلوم ہو چکا کہ حدیث مذکور جس سے فریق ثانی کا استدلال ہے۔ یہ مسند امام احمد بن حنبل رح کی ہے۔ تو اگر واؤ اس میں ترتیب کے لیے ہوتی تو امام احمد بن حنبل رح کا مذہب صرف رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ہوتا۔ لیکن امام احمد رح کے مذہب میں دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام احمد نے بھی اس واؤ کو ترتیب کے لیے قرار نہیں دیا۔ پھر ایک اور عجیب بات ہے کہ امام احمد رح کا یہ مذہب خود مولوی یوسف حسین نے "اتمام الخشوع" کے صـ۳ پر اور شاہ بدیع الدین نے اپنے رسالہ کے صـ۱۵ پر ذکر کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے مسند احمد کی حدیث مذکورہ کو اپنے دلائل میں پیش کیا ہے۔ بلکہ شاہ بدیع الدین نے مسند احمد کی ایک اور حدیث بھی پیش کی ہے جس کا ذکر صـ۲۴ میں انشاء اللہ آئے گا۔ اسی طرح مصنف اتمام الخشوع نے بھی ایک اور حدیث کی پیش کی ہے جس کا ذکر صـ۲۵ میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ لیکن یہ نہیں سوچا کہ یہ حدیثیں اگر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہوتیں۔ تو خود امام احمد بن حنبل رح ان حدیثوں کی مخالفت کیوں کرتے۔ مسائل دین میں ایسی بے پرواہی سے کام نہیں لینا چاہیے اور نہ ہی ہر ایک کا یہ مقام ہے کہ قلم برداشتہ فتویٰ لکھ دے۔ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ قیامت کا دن مفتی کے لیے بڑا خطرناک ہے۔ اللہ بچائے اور اپنا فضل و کرم کرے۔ آمین۔

شبہ اگر کہا جائے کہ وضو کے اعضاء کا دھونا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ چھٹے پارے سورہ مائدہ کے

پہلے رکوع میں ہے

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔

یعنی پس منہ دھوؤ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوؤ اور سروں کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ۔

اگر واؤ ترتیب کے لیے نہ ہو۔ تو اعضاء وضو کا اس ترتیب کے خلاف دھونا جائز ہو جائے گا۔ جیسے حنفیہ کہتے ہیں کہ الٹا وضو بھی جائز ہے۔ مثلاً پاؤں سے شروع کرے اور منہ پر ختم کرے۔ یہ وضو صحیح ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہاں ترتیب واؤ سے نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ اس کا قرینہ اور ہے۔ وہ یہ کہ پاؤں کا ذکر سر کے بعد کیا ہے۔ حالانکہ پاؤں دھوئے جاتے ہیں۔ اور سر پر مسح ہوتا ہے۔ سو چاہیے تھا کہ پاؤں کا ذکر منہ کے ساتھ ہوتا۔ سر کو درمیان میں لانا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ترتیب ملحوظ ہے۔ پھر احادیث میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو جو آپؐ نے کیا اور سکھایا اور اسی طرح صحابہؓ نے جو کیا اور سکھایا۔ سب میں یہی ترتیب ہے۔ جو قرآن مجید میں ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ الٹا وضو جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ ترتیب کا ثبوت کسی خارجی دلیل سے ہونا چاہیے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حدیث میں واؤ کے ساتھ ہاتھ باندھنے کا ذکر ہونا۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں۔ کہ یہ رکوع کے بعد ہے۔ اب کسی اور دلیل سے اس کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ کہ پہلے ہے یا بعد ہے۔ پس سنیے۔ محدثین کا اصول ہے کہ اَلْاَحَادِيْثُ يُفَسِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ یعنی احادیث آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر ہوتی ہیں۔ اس اصول کی بناء پر عاصم بن کلیبؒ کی اپنے باپ سے اور باپ کی وائل بن حجر سے روایات دیکھنی چاہییں۔ کہ ان میں ہاتھ باندھنے کا ذکر کس موقعہ پر کیا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں عاصم بن کلیب کی روایت ہاتھ باندھنے کے متعلق چار جگہ ذکر کی

ہے۔ ایک یہ، تین جگہ اور۔ ان تینوں جگہوں میں ہاتھ باندھنے کا ذکر رکوع سے پہلے ہے۔ رکوع کے بعد نہیں۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا۔ کہ حدیث زیر بحث میں بھی یہی مراد ہے

اس کے علاوہ حضرت علقمہ رحؒ وغیرہ نے بھی وائل بن حجر رضؓ سے ہاتھ باندھنے کے متعلق روایات ذکر کی ہیں۔ ان سب میں رکوع سے پہلے ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے پس حدیث مذکورہ سے استدلال قواعد محدثین کے مطابق نہیں۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی اسناد میں بھی گفتگو ہے۔ اس میں دو راوی کچھ کمزور ہیں۔ ایک عبداللہ بن ولید اس کے متعلق تقریب میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ صَدُوْقٌ رُبَّمَا اَخْطَأَ یعنی سچا ہے کئی دفعہ غلطی کی ہے۔ دوسرا راوی عاصم بن کلیب ہے۔ یہ وہی عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا راوی ہے جس میں رکوع کے وقت رفع الیدین نہ کرنے کا ذکر ہے۔ تقریب میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ صَدُوْقٌ رُمِیَ بِالْاِرْجَاءِ۔ یعنی سچا ہے۔ مرجی ہونے کے ساتھ متہم ہے۔ اگرچہ یہ جرح ہلکی ہے۔ لیکن یکے بعد دیگرے دو راویوں کی تھوڑی کمزوری بھی کچھ طاقت پکڑ لیتی ہے۔ بہرصورت اس حدیث سے فریق ثانی کا استدلال ڈبل غلطی ہے۔ کیونکہ باوجود اس کمزوری کے واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔ چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ یہ تو فریق ثانی کی بڑی دلیل کا جواب ہے۔ اب باقی دلائل کا حال سنیے۔ وہ صرف قیاسات یا محض اپنی رائے ہے۔

پہلی دلیل } یہ کہ بعض احادیث میں مطلق آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہاتھ باندھے۔ اس سے فریق ثانی استدلال کرتا ہے کہ رکوع کے بعد بھی ہاتھ باندھنے چاہییے۔ کیونکہ سجدے میں تو ہاتھ زمین پر ہوتے ہیں۔ اور قعدے کے وقت ہاتھ رانوں پر ہوتے ہیں۔ اور رکوع میں گھٹنوں پر ہوتے ہیں۔ باقی قیام رہا۔ خواہ رکوع سے پہلے ہو یا بعد۔ پس اس میں ہاتھ باندھنے چاہییں۔ لیکن فریق ثانی کا یہ

ف اس حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ من اخلاق النبیین وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ۔ اس قسم کی اور روایات

استدلال بھی محدثین کے خلاف ہے۔ محدثین کا اصول ہے۔ کہ اَلْاَحَادِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ یعنی حدیثیں آپس میں ایک دوسری کی تفسیر ہوتی ہیں۔ جب دوسری روایتوں میں موقعہ محل بتا دیا اور وہ رکوع سے پہلے ہے۔ تو پھر رکوع کے بعد اپنی طبعی حالت پر رہا۔ چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی محدث نے آج تک رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا باب باندھ کر ان مطلق حدیثوں سے استدلال نہیں کیا اگر یہ مطلق حدیثیں رکوع کے بعد کی حالت کو شامل ہوتیں۔ تو کوئی نہ کوئی ضرور یہ باب باندھتا۔ کسی کا اس پر باب نہ باندھنا یہ زبردست دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک متفقہ طور پر وہی معنیٰ ہیں۔ جس پر دوسری احادیث دلالت کرتی ہیں۔ حدیثوں کا معنیٰ اس طرح اپنے طور پر اپنی رائے سے کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے قرآن مجید کا معنیٰ اپنی رائے سے کرے۔ اور سلف کی پرواہ نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ اس سے بچائے۔ آمین۔

اس کے علاوہ جلسۂ استراحت میں اور سجدوں کے درمیان جلسے میں فریق ثانی کے خیال کے مطابق ران پر ہاتھ رکھنے کا ذکر نہیں۔ تو وہاں بھی ان مطلق احادیث کی بنا پر ہاتھ باندھنے چاہییے حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ پس حدیث کا معنیٰ ایسا کرنا جو اجماع کے خلاف ہو۔ یہ سراسر گمراہی ہے۔ اپنی رائے پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہییے کہ کسی کی پرواہ ہی نہ ہو۔ اسی چیز نے گمراہ فرقوں کو گمراہ کیا ہے۔

دوسری دلیل } فریق ثانی نے یہ دی ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ رکوع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کھڑے ہوتے۔ کہ ہر ہڈی یا ہر جوڑ اپنے ٹھکانے پر آجاتا۔ چونکہ رکوع سے پہلے ہاتھ باندھے ہوتے ہیں۔ اس لیے بعد بھی باندھنے چاہییں۔

اس استدلال میں بھی فریق ثانی نے حدیث کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

إِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ (مِنَ الرُّكُوْعِ) اِسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهٗ (مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ فصل اول ص۷۵)

یعنی رکوع سے سر اٹھاتے تو اس طرح ٹھیک ہو کر کھڑے ہوتے کہ پیٹھ کا ہر مہرہ اپنے ٹھکانے لوٹ آتا۔

اس عبارت میں فَقَار کا لفظ ہے۔ اور فقار فقرہ کی جمع ہے پیٹھ کے مہروں کو کہتے ہیں۔ اس میں ہاتھ شامل ہی نہیں پس یہ دلیل نہ بنی۔ دوسری جگہ مشکوٰۃ میں یہ الفاظ ہیں:۔

فَاَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰى مَفَاصِلِهَا (مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ۔ فصل ثانی ص۷۶)

یعنی اپنی پیٹھ سیدھی کر۔ اور سر اٹھا یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنے جوڑوں کی طرف لوٹ آئیں"

اس عبارت میں اگر یہ دیکھا جائے کہ لفظ حَتّٰى غایت (انتہا) کے لیے ہے۔ اور مقصد پیٹھ سیدھی کرنے اور سر اٹھانے کی حد بتانا ہے۔ یعنی پیٹھ اتنی سیدھی ہو جائے اور سر اس قدر اونچا ہو جائے۔ کہ ہر ہڈی اپنے جوڑ کی طرف لوٹ آئے۔ تو اس صورت میں ہڈیوں سے پیٹھ کی ہڈیاں مراد ہوں گی۔ کیونکہ پیٹھ کے سیدھا کرنے اور سر اٹھانے میں انہی کا دخل ہے۔ پس یہ عبارت اور پہلی عبارت ایک ہو گئیں۔ پس جیسے وہ دلیل نہیں، یہ بھی دلیل نہ بنی۔ اور اگر لفظ "حَتّٰى" کو صرف وَارْفَعْ رَأْسَكَ کی غایت بنایا جائے۔ اور معنے یوں کیے جائیں کہ سر اتنا اونچا کر کہ تمام ہڈیاں اپنے جوڑوں کی طرف لوٹ آئیں تو اس صورت میں ہاتھ بھی اس میں شامل[1] ہو جائیں گے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھ بھی گھٹنوں پر

---

[1] ہاتھوں پر ہڈیوں کا لفظ احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ہے جن میں دو ہاتھ بھی ہیں ۱۲

نہ رہیں۔ بلکہ اپنے جوڑوں کی طرف لوٹیں اور اپنے جوڑوں کی طرف لوٹنا ان کا یہی ہے۔ کہ جیسے پیٹھ کی ہڈیاں اپنی طبعی حالت پر ہوں گیں۔ اسی طرح ہاتھ بھی طبعی حالت پر ہو جائیں اور قیام میں طبعی حالت ہاتھوں کا چھوڑنا ہے۔ پس یہ فریق ثانی کی دلیل تو کجا اس کا الٹ ہو گیا۔ اور نسائی کی روایت میں ہے

ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَامَ حَتّٰى اسْتَوٰى كُلُّ شَيْءٍ مِنْهُ

(باب مواضع اصابع الیدین فی الرکوع صـ۱۴۴)

یعنی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رکوع سے) اپنا سر اٹھایا پس کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ہر چیز آپ کی ٹھیک ہو گئی۔

اس عبارت میں لفظ کل شیء ہے۔ یہ بھی اس بات کا مؤید ہے کہ ہڈیوں سے مراد عام ہے۔ جو ہاتھوں کو بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ بخاری جلد اول صـ۱۱۱ باب الطُّمَأْنِينَةِ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ میں مالک بن حویرث کی حدیث میں ہے: ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ رُكُوعَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَانْصَبَّ هُنَيَّةً ۔ (الحدیث)

یعنی پھر رکوع کیا۔ پس رکوع کو جگہ دی (یعنی اچھی طرح کیا) پھر اپنا سر اٹھایا پس تھوڑی دیر گرے رہے

اس حدیث میں لفظ انْصَبَّ ہے اور انْصَبَّ اِنْصِبَاب سے ہے اور انصباب کے معنی نیچے کو گرنا ہے۔ یعنی ہر ایک عضو کا جدھر طبعی جھکاؤ تھا ادھر ہو گیا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۲ صـ۲۳۰ میں اس پر لکھتے ہیں:۔

كَأَنَّهُ كَنّٰى عَنْ رُجُوعِ أَعْضَائِهِ عَنِ الْاِنْحِنَاءِ بِالْاِنْصِبَابِ

یعنی جھکنے (رکوع) کے بعد اعضاء کے لوٹنے کو انصباب کے ساتھ بیان کیا اور انصباب کا معنی جب نیچے گرنا ہوا تو ہاتھوں کا ارسال ثابت ہو گیا۔

کیونکہ باندھنا پیچھے گرنا نہیں۔

اس لیے ہم نے اپنے پہلے فتویٰ جو "تنظیم اہل حدیث" جلد ۱۲ شمارہ ۳۹ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس حدیث کو ہاتھ چھوڑنے کی دلیل بنایا تھا۔ خلاصہ یہ کہ یہ دلیل فریق ثانی کو مفید نہیں۔ بلکہ مضر ہے۔

شبہ بعض نے اس پر شبہ کیا ہے۔ کہ مسلم میں حدیث ہے۔ جس کے شروع الفاظ یہ ہیں۔ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اعْتَدَلَ قَائِمًا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے اور ابوداؤد باب افتتاح الصلوٰۃ میں ابوحمید ساعدی کی حدیث ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ کَبَّرَ حَتّٰی یَقِرَّ کُلُّ عَظْمٍ فِیْ مَوْضِعِہٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ یَقْرَأُ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے۔ تو اٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے یہاں تک کہ برابر کرتے ان کو اپنے دونوں کندھوں کے۔ پھر اللہ اکبر کہتے۔ یہاں تک کہ ہر ہڈی ٹھیک اپنی جگہ پر ٹھہر جاتی پھر قرأت کرتے۔"

پہلی حدیث میں قیام اول میں اعتدال کا لفظ آیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہر ہڈی کا اپنے مقام میں ٹھہرنے کا ذکر ہے۔ تو اگر ہر ہڈی اپنے مقام میں ٹھہرنے سے مراد طبعی مقام ہو۔ تو پھر قیام اوّل میں بھی ارسال چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قیام اوّل میں ہاتھ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ دوسری احادیث میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں۔ کہ حدیث بعض بعض کی تفسیر

ہوتی ہے۔ سب کو ملا کر مطلب لینا چاہیے۔

تنبیہ } صاحب رسالہ نے "اتمام الخشوع" کے صفحہ پر ہڈی کا اپنی جگہ لوٹنے کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "شرع نے جو اس کا مقام مقرر کیا ہے۔ وہ مراد ہے"

حالانکہ یہ حدیث کی بالکل تحریف ہے۔ راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو بیان کر رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ شرع ہے۔ شاگرد کو پہلے سے شرع کہاں معلوم ہے۔ اگر پہلے شرع معلوم ہوتی۔ تو پھر یہ بیان ہی فضول ہے۔ اس کے علاوہ اعتدال کا لفظ بھی اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اعتدال کی حالت کو راوی ہڈیوں کے رجوع کے ساتھ بیان کر رہا ہے۔ اور رجوع صیغہ لازم ہے۔ بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ ہڈیاں خود جس طرف لوٹیں۔ وہ مقام مراد ہے اور وہ طبعی ہے۔ اور ہاتھ جس مقام پر باندھے جاتے ہیں۔ وہ مقام ان کا طبعی نہیں۔ بلکہ طبعی مقام ارسال کی صورت میں ہے نیز بزار کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

ثُمَّ انْحَطَّ سَاجِدًا بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ بِالتَّكْبِيْرِ بِيَدَيْهِ اِلٰى اَنْ حَاذَتَا بِشَحْمَةِ اُذُنَيْهِ وَاِلٰى اَنِ اعْتَدَلَ فِيْ قِيَامِهٖ وَرَجَعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰى مَوْضِعِهٖ ثُمَّ صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْعَلُ فِيْهِنَّ مَا فَعَلَ فِيْ هٰذِهٖ۔

یعنی پھر سجدے کو اسی طرح گئے یعنی تکبیر کہہ کر۔ پھر تکبیر کے ساتھ سر اٹھایا ہاتھوں سمیت یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو کے برابر ہو گئے اور یہاں تک سر اٹھایا ہاتھوں سمیت کہ آپ اپنے مقام میں اعتدال کی حالت پر ہو گئے اور ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پہ آ گئی پھر (اسی طرح) چار رکعت نماز پڑھی۔ ان میں بھی وہی کرتے جو پہلی میں کیا۔

اس روایت میں ہاتھوں اور سر کا اٹھانا الگ بیان کیا۔ اور اعتدال کا بیان الگ

کیا۔ اور اس کی تفسیر مدّی کے رجوع کے ساتھ کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا اٹھانا اعتدال میں شامل نہیں۔ اور جب اٹھانا اعتدال میں شامل نہ ہوا۔ تو باندھنا بھی شامل نہیں۔ کیوں کہ باندھنا بھی اٹھا کر ہوتا ہے۔ پس صحیح وہ ہی ہے۔ جو ہم نے بیان کیا کہ ہاتھ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

تیسری دلیل } فریق ثانی نے یہ ذکر کی ہے کہ دو سجدوں کے درمیان جلسہ کی کیفیت احادیث میں نہیں آئی۔ کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں۔ اسی طرح دوسری رکعت اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے بھی جلسہ ہوتا ہے۔ جس کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔ اس کی کیفیت بھی نہیں آئی۔ قعدہ (التحیات) پر قیاس کر کے ان دونوں جلسوں میں ہاتھ رانوں پر رکھے جاتے ہیں۔ پس اسی طرح قیام بعد الرکوع کو قیام قبل الرکوع پر قیاس کرنا چاہیے۔

اس کے تین جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ ان جلسوں میں رانوں پر ہاتھ رکھنے پر تعامل امت ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ پس اجماع ہو گیا۔ اور حدیث میں ہے لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ۔ یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔" اور قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنے پر تعامل امت نہیں پس قیاس صحیح نہ رہا۔

دوم یہ کہ جلسوں میں ہاتھوں کے متعلق تین صورتیں ہیں۔ باندھنا۔ زمین پر رکھنا اور رانوں پر رکھنا۔ باندھنا طبعی حالت نہیں۔ پس اس کا ثبوت چاہیئے۔ جیسے شروع میں تفصیل ہو چکی ہے اور ثبوت اس کا کوئی نہیں۔ اور زمین پر ہاتھ رکھنا یہ ہیئت شریعت میں مذموم ہے چنانچہ حدیث میں ہے:۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأٰی رَجُلًا سَاقِطًا یَدَہٗ فِی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ لَا تَجْلِسْ ھٰکَذَا اِنَّمَا ھٰذِہٖ جِلْسَۃُ الَّذِیْنَ یُعَذَّبُوْنَ (مسند احمد جلد ۲ ص۱۱۶)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ نماز کے (جلسہ) میں اس کا ہاتھ (زمین پر) پڑا ہے فرمایا۔ اس طرح نہ بیٹھ۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کی بیٹھک ہے۔ جن کو عذاب دیا جاتا ہے۔ پس رانوں پر ہاتھ رکھنا متعین ہو گیا۔

تنبیہ } جلسہ بین السجدتین کے لیے ایک علیحدہ حدیث بھی آئی ہے۔ جو مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ میں ہے۔ اس کے الفاظ معہ اسناد یہ ہیں :

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ حِیْنَ کَبَّرَ یَعْنِیْ اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ حِیْنَ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ حِیْنَ رَکَعَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ حِیْنَ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَسَجَدَ فَوَضَعَ یَدَیْهِ حَذْوَ اُذُنَیْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی ثُمَّ وَضَعَ یَدَهُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِهِ الْیُسْرٰی وَوَضَعَ ذِرَاعَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی فَخِذِهِ الْیُمْنٰی ثُمَّ اَشَارَ بِسَبَّابَتِهٖ وَوَضَعَ الْاِبْهَامَ عَلَی الْوُسْطٰی وَقَبَضَ سَائِرَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ سَجَدَ فَکَانَتْ یَدَاهُ حِذَاءَ اُذُنَیْهِ

ترجمہ : حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے تکبیر کہی۔ پس دونوں ہاتھ اپنے تکبیر کہنے کے وقت اٹھائے یعنی نماز شروع کی۔ اور تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے اور رکوع کے وقت بھی ہاتھ اٹھائے۔ اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہا۔ اس وقت بھی ہاتھ اٹھائے اور سجدہ کیا۔ پس اپنے دونوں ہاتھ کانوں کے برابر زمین پر رکھے

پھر بیٹھے۔ پس اپنا بایاں پاؤں بچھالیا۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھا۔ اور دائیں کلائی اپنی دائیں ران پر رکھی۔ پھر سبابہ انگلی کیساتھ اشارہ کیا۔ اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھا (یعنی حلقہ بنایا) اور باقی انگلیاں بند کر لیں۔ پھر سجدہ کیا۔ پس دونوں ہاتھ آپ کے کانوں کے برابر تھے۔

اس حدیث میں جلسہ بین السجدتین کی کیفیت کا بیان ہے۔ پس یہ کہنا کہ جلسہ بین السجدتین کی کیفیت کا بیان حدیثوں میں نہیں آیا۔ یہ غلط ہو گیا۔ لیکن یہ ہماری طرف سے الزامی جواب ہے۔ کیونکہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والے حدیثوں کو ملا کر مطلب بیان نہیں کرتے چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ حدیث بعض بعض کی تفسیر ہوتی ہے۔ ہم نے وائل بن حجرؓ کی اس حدیث کو جس کو عاصم بن کلیبؒ نے بواسطہ اپنے باپ کے وائل بن حجرؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کی دوسری روایتوں کے ساتھ ملایا۔ تو معلوم ہوا کہ اس حدیث کے الفاظ میں راوی سے کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے۔ یعنی اخیر کا ٹکڑا ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَتْ يَدَاهُ حِذَاءَ اُذُنَيْهِ یہ ثُمَّ جَلَسَ اور فَافْتَرَشَ کے درمیان ہونا چاہیے اور فَافْتَرَشَ کے پہلے پھر ثُمَّ جَلَسَ چاہیے۔ اس صورت میں سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے بعد عبارت یوں ہو گی۔

وَسَجَدَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ اُذُنَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَتْ يَدَاهُ حِذَاءَ اُذُنَيْهِ۔ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ ذِرَاعَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَشَارَ بِسَبَّابَتِهٖ وَوَضَعَ الْاِبْهَامَ عَلَى الْوُسْطٰى وَقَبَضَ سَائِرَ اَصَابِعِهٖ۔

ہاں اگر اس حدیث میں تشہد کا ذکر علیحدہ ہوتا اور جلسہ بین السجدتین کا ذکر علیحدہ ہوتا۔

تو پھر سمجھا جاتا کہ یہ مستقل روایت ہے لیکن بین السجدتین کی کیفیت تشہد والی بیان کرنی اور تشہد کا ذکر نہ ہونا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راوی سے تقدم و تاخر ہو گیا ہے۔ صحیح صورت وہی ہے جو عاصم بن کلیب کی دوسری روایتوں میں ہے۔ اور وہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے اس تقدم و تاخر کی مثال ایسی ہے جیسے بخاری شریف جلد اول ص۵۱ کتاب الصلوٰۃ میں معراج کی لمبی حدیث ذکر کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں

ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوسٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا مُوسٰى ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيسٰى قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ (الحديث)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں (آسمانوں پر چڑھنے کے وقت) موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گذرا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے کہا مرحبا! نیک نبی اور نیک بھائی کے لیے۔ میں نے (جبرائیلؑ سے) کہا۔ یہ کون ہیں۔ کہا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں عیسیٰؑ کے ساتھ گذرا۔ پس عیسیٰؑ نے کہا۔ نیک نبی اور نیک بھائی کے لیے مرحبا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ کون ہیں۔ کہا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد اول ص۳۶۹ میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

لَيْسَتْ ثُمَّ عَلٰى بَابِهَا فِي التَّرْتِيْبِ - إِلَّا أَنْ قِيْلَ بِتَعَدُّدِ الْمِعْرَاجِ إِذِ الرِّوَايَاتُ مُتَّفِقَةٌ عَلٰى أَنَّ الْمُرُوْرَ بِهِ كَانَ قَبْلَ الْمُرُوْرِ بِمُوْسٰى

یعنی ثُمَّ اس جگہ اپنے معنی میں ترتیب کے بارے میں صحیح نہیں مگر یہ کہ کئی معراج بنائے جائیں کیونکہ معراج کی روایتیں اس پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر گذرنا موسیٰ علیہ السلام پر گذرنے سے پہلے تھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس عبارت سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تعدد معراج نہ ہو (اور صحیح بھی یہی ہے) تو اس عبارت میں تقدم و تاخر ہے یعنی ثُمَّ مَرَرْتُ بِهٖ عِیْسٰی پہلے ہونا چاہیے۔ اور ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسٰی پیچھے ہونا چاہیے۔ سو ایسا ہی مسند احمد کی اس روایت میں سمجھ لینا چاہیے۔

چوتھی دلیل } ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے

نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ وَاَنْ يُّغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ (خمسہ ک)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل (یعنی کسی عضو یا کپڑے یا بالوں کے لٹکانے) سے اور اس سے کہ آدمی اپنا منہ ڈھانپ رکھے منع فرمایا ہے"

یہ دلیل مولوی یوسف حسین برادر قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری نے اپنے رسالہ انتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع کے ص۳۴ پر ذکر کی ہے لیکن اس حدیث کے مطلب بیان کرنے میں دو طرح سے اجماع کی مخالفت کی ہے۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں سدل سے مراد عام لیا ہے۔ جو عضو، کپڑے اور بالوں سب کو شامل ہے۔ حالانکہ محدثین سے کسی نے بھی آج تک یہ معنی نہیں کیے۔ جو عضو کو بھی شامل ہوں۔ دوسرے کسی سلف نے رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے منع نہیں کیا۔ بلکہ امام ترمذیؒ نے کئی علماء سے سدل کی مخالفت کی وجہ یہود سے مشابہت بتائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں کے لٹکانے میں یہود کی مشابہت نہیں۔ بلکہ کپڑے میں ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی جلد اول ص۲۹۶

اس کے علاوہ سدل کے معنی مطلق ارسال کے کیے ہیں۔ حالانکہ ارسال اور سدل میں فرق ہے مثلاً شکار کے پیچھے کتا چھوڑ دیں۔ تو اس کو ارسال کہیں گے۔ سدل

ے خمسہ ک ان حروف سے مسند احمد کی طرف اشارہ ہے اور خمسہ سے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ چار کتابوں کی طرف اشارہ ہے اور ک سے مستدرک حاکم کی طرف اشارہ ہے ۱۲

نہیں کہیں گے۔ اسی طرح کسی کو کسی کے پاس بھیجیں۔ تو وہاں بھی اَرْسَلَ اِلٰی فُلَان کہیں گے۔ سَدَلَ اِلٰی فُلَان نہیں کہتے۔ ایسے ہی ہاتھ میں کوئی چیز پکڑی ہو تو پھر چھوڑ دیں تو یہاں بھی اَرْسَلَ استعمال ہوتا ہے سَدَلَ نہیں ہوتا۔ اصل میں سَدَلَ کے معنے لٹکانے کے ہیں۔ لیکن مطلق لٹکانے کے نہیں۔ بلکہ اس میں بھی خاص خاص محاورات کو دخل ہے۔ چنانچہ خود مولوی یوسف صاحب نے اسی مقام پر مسند احمد جلد اول ص۲۴۶ کے حوالے سے مندرجہ ذیل حدیث ذکر کی ہے:-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَہُمْ وَکَانَ اَھْلُ الْکِتَابِ یَسْدُلُوْنَ قَالَ یَعْقُوْبُ اَشْعَارَھُمْ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ وَیُعْجِبُہٗ مُوَافَقَۃُ اَھْلِ الْکِتَابِ قَالَ یَعْقُوْبُ فِیْ بَعْضِ مَالَمْ یُؤْمَرْ قَالَ اِسْحٰقُ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ فِیْہِ فَسَدَلَ نَاصِیَتَہٗ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ مشرکین مکہ سر کی مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب بال لٹکائے رکھا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اہل کتاب کی موافقت بھاتی تھی جب تک کوئی حکم نہ آتا۔ سو آپ نے بھی اپنے بال لٹکائے رکھے۔ پھر بعد ازاں مانگ نکالی۔

اس حدیث میں سدل کو مانگ کے مقابلے میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ مطلق لٹکانا مانگ میں بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مانگ میں دو طرف کا لٹکانا ہے اور بغیر مانگ کے مجموعے کا لٹکانا ہے۔ جس کو اس حدیث میں سدل کہا ہے۔ پھر مولوی یوسف حسین نے اسی صفحے پر بحوالہ صحیح مسلم جلد اول ص۲۴۰ عمران بن حصین کی حدیث ذکر کی ہے۔ جس

میں یہ الفاظ ہیں :۔

فَبَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ إِذَا نَحْنُ بِامْرَأَةٍ سَادِلَةٍ رِجْلَيْهَا بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ۔

یعنی ہم جارہے تھے کہ اچانک ایسی عورت کے پاس پہنچے کہ وہ (اونٹ پر سوار) اپنے دونوں پاؤں دو پکھالوں کے درمیان لٹکاتے ہوئے جا رہی تھی۔

اس حدیث میں پاؤں کے متعلق سدل کا لفظ آیا ہے۔ کیونکہ پاؤں زمین وغیرہ پر ٹیکنے کی چیز ہے۔ اور یہاں پر کسی چیز پر ٹیکے ہوئے نہیں تھے۔ اس لیے اس پر سدل کا لفظ بولا۔ ہاتھوں پر سدل کا لفظ کسی محاورے میں نہیں آیا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ قیام میں ان کی اپنی اصلی حالت ارسال ہے اور کسی چیز پر ٹیکنے کے لیے نہیں۔ اور اگر بالفرض کسی محاورے میں آیا ہو تو سدل کی حدیث میں یہ مراد نہیں۔ چنانچہ اوپر بیان ہوا ہے مصنف رسالہ مولوی یوسف حسین صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر اس حدیث میں سدل کا لفظ ہاتھوں کے ارسال کو شامل ہوتا۔ تو امام احمدؒ اس حدیث کی مخالفت کیوں کرتے۔ کیونکہ یہ حدیث مسند امام احمدؒ کی ہے۔ اور فتویٰ ان کا جواز ارسال ہے چنانچہ ص۱۵ پر گذر چکا ہے۔

اس رسالے میں افراط تفریط بہت ہے۔ اور کئی جگہ تعارض بھی ہے۔ افراط تفریط کی ایک مثال تو آپ کے سامنے آچکی ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے کو سدل قرار دے کر اس کی ممانعت پر یہ حدیث پیش کی ہے۔

دوسری مثال سنیے۔ اس رسالہ کے ص۱ پر صحیح مسلم کی حسب ذیل حدیث ذکر کی ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَدْعُوْا وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى

فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ (رواہ مسلم)

یعنی حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر دعا مانگتے۔ یعنی خواہ نماز میں یا غیر نماز میں۔ تو اپنا سیدھا ہاتھ سیدھی ران پر رکھتے اور اپنا الٹا ہاتھ الٹی ران پر اور اپنی انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے اور اپنی الٹی ہتھیلی سے اپنا الٹا گھٹنا پکڑ لیتے۔

اس حدیث میں نہ تو نماز کی قید ہے۔ اور نہ تشہد کی اور نہ بین السجدتین کی اور اسی وجہ سے بعض حنابلہ کرام بعد وضو کے دعا پڑھنے کے وقت انگشت شہادت سے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر اشارہ کرتے ہیں۔ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَبْعَدٍ ص۱۱

اس حدیث کا معنی جو اس رسالہ میں کیا ہے۔ آج تک کسی محدث نے یہ معنی نہیں کیا۔ نماز اور غیر نماز دونوں صورتوں میں اس طرح بیٹھنا اور انگلی اٹھانا۔ یہ محض اس رسالے والے کا اختراع ہے اور پھر حنابلہ پر بھی افترا کیا ہے۔ کہ انہوں نے اس حدیث کو عام (نماز غیر نماز میں) بلکہ وضو کی دعا بھی اس میں شامل کر دی ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں تشہد کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ قَعَدَ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وضو میں نہ اس طرح بیٹھنا ہوتا ہے۔ اور نہ اس طرح اشارہ ہوتا ہے۔ کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا جائے اور ران پر رکھتے ہوئے اشارہ کیا جائے کتب حنابلہ میں موجود ہیں کسی نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ اور نہ وضو کی دعا کی یہ کیفیت بیان کی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ خود صاحب رسالہ نے حنابلہ کے دعا مانگنے کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ انگشت شہادت سے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر اشارہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث میں اس کا نام ونشان

نہیں۔ پس ایسا شخص جو حدیثوں کا معنی اپنی رائے سے بیان کرے اور دوسروں پر افتراء کرتے ہوئے ان کو بھی اس میں پلیٹنے کی کوشش کرے۔ اس کو ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔ جیسے کوئی شخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب العلم ص ۳۵ میں حدیث ہے۔

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے۔ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے

اعاذنا اللہ منہم

مذاہب کے بیان میں بے احتیاطی

رسالہ مذکورہ کے ص ۳۸ میں موطا امام مالکؒ کے حوالے سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ موطا امام مالکؒ میں مطلق قیام کا ذکر ہے۔ اور مطلق قیام سے قبل الرکوع قیام مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ ص ۴۳ میں تفصیل آئے گی۔ اور بشری الکریم کے حوالہ سے ص ۳۷ میں شافعیہ کا بھی ہاتھ باندھنے کے متعلق ایک قول لکھا ہے لیکن شافعیہ کی کسی مشہور کتاب کا حوالہ نہیں دیا اور ص ۳۸ پر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا لکھا ہے۔ حالانکہ ان کے مذہب پر اصل مسئلہ یہ ہے۔ کہ جس قیام میں ذکر مسنون ہو۔ اس میں ہاتھ باندھے جائیں۔ اور جس میں ذکر مسنون نہ ہو اس میں ہاتھ چھوڑے جائیں۔ رکوع کے بعد قیام میں ان کے نزدیک ذکر مسنون نہیں اس لیے اس میں ان کے نزدیک ارسال ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک ہاتھ باندھنا قرأت کی سنت ہے۔ یعنی قرأت میں جتنی دیر قرآن مجید پڑھا جائے۔ اتنی دیر ہاتھ باندھے قرأت کے علاوہ کوئی ذکر ہو۔ تو اس میں ہاتھ چھوڑے۔ جیسے تکبیر تحریمہ کے بعد اللّٰہم باعد بینی یا سبحانک اللّٰہم وبحمدک پڑھے۔ تو اس وقت ہاتھ نہ باندھے۔ اور

جب قرات شروع کرے فوراً ہاتھ باندھے۔ بعض حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا مذہب یہ لکھا ہے۔ کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھے جائیں۔ اس لیے کہ اس میں ذکر مسنون ہے۔ لیکن علامہ ابن الہمامؒ نے کبیری شرح منیۃ المصلی ص۴۶۶ میں اس کی تردید کی ہے۔ وجہ اسکی یہی لکھی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک قیام بعد از رکوع میں ذکر مسنون نہیں۔ اور جو ان سے ایک قول میں آیا ہے وہ صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ قدر ہے۔ جو ہاتھ باندھتے باندھتے ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسا کوئی ذکر ان سے ثابت نہیں۔ کہ ہاتھ باندھ کر پڑھا جائے۔ پس ان کا مذہب ارسال ہی ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وقول صاحب الواقعات اوجَہُ۔ یعنی صاحب واقعات (صدر الشہید حسام الدین) نے جو کچھ لکھا ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے یہ زیادہ مدلل ہے۔ مطلب اس بات کا یہ ہے کہ ذکر مسنون (رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ وغیرہ) اگرچہ حدیث میں آیا ہے لیکن ان کا مذہب ارسال ہی کا ہے۔ کیونکہ وہ اس میں ذکر مسنون کے قائل نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ذکر مسنون کی حدیث نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ معذور قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ مگر اس کو ان کا مذہب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مذہب وہی ہے۔ جس پر انہوں نے عمل کیا۔ مصنف رسالہ مذکور نے باوجود ص۴۶۶ پر کبیری کی عبارت کو نقل کرنے کے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا مذہب رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا لکھا ہے۔ یہ بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور یہی غلط فہمی مولوی

ـلـه کبیری شرح منیہ کی پوری عبارت حسب ذیل ہے۔

وَيُرْسِلُ الْيَدَيْنِ فِي الْقَوْمَةِ بَعْدَ الرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوعِ بِاتِّفَاقِ أَئِمَّتِنَا كَذَا قَالَ صَدْرُ الشَّهِيدِ حُسَامُ الدِّيْنِ فِي وَاقِعَاتِهِ اَمَّا عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَظَاهِرٌ لِاَنَّهٗ قِيَامٌ لَاقِرَاءَةَ فِيهِ وَاَمَّا عَلٰى قَوْلِهِمَا فَاِنَّهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ ذِكْرٌ مَسْنُوْنٌ فِيْ حَقِّ الْمُنْفَرِدِ فِيْ رِوَايَةٍ وَفِيْ حَقِّ الْاِمَامِ عَلٰى قَوْلٍ لٰكِنَّهٗ غَيْرُ مُمْتَدٍّ بَلْ هُوَ قَوْلُهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَنَحْوُهٗ د

(باقی ص۳۳ پر)

بدیع الدین پیر جھنڈا کو مصنف رسالہ کی اتباع میں ہوئی ہے۔ اللہ معاف کرے آمین۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ جیسے رکوع سے پہلے قیام ہے اسی طرح رکوع کے بعد بھی قیام ہے۔ تو جن احادیث میں مطلق قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے وہ رکوع کے بعد قیام کو بھی شامل ہوں گی۔ جیسے نسائی اور دارقطنی میں حدیث ہے:۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ قَائِمًا فِي الصَّلٰوةِ قَبَضَ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ۔

یعنی حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوتے تو دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے۔

اور جامع الصغیر جلد ۲ صد ۹۳ میں بحوالہ طبرانی وائل بن حجر سے روایت کیا ہے۔ كَانَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ قَبَضَ عَلٰى شِمَالِهٖ بِيَمِيْنِهٖ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دایاں ہاتھ بائیں پر باندھ لیتے" اور جامع الصغیر نے اس کو حسن کہا ہے

اس دلیل کا جواب کئی طرح سے ہے۔ اوّل یہ کہ یہاں بھی وہی قاعدہ جاری ہے۔ کہ حدیث

(بقیہ حاشیہ) هُوَ شَيْءٌ قَلِيْلٌ لَا يَزِيْدُ زَمَانُهٗ عَلٰى زَمَانِ الْقَبْضِ وَالتَّخْلِيَةِ فَلَا فَائِدَةَ فِي الْقَبْضِ وَ ذَكَرَ السَّيِّدُ الْإِمَامُ أَبُوْ شُجَاعٍ فِي الْمُلْتَقَطِ أَنَّهٗ يَأْخُذُ الْيَدَ الْيُسْرٰى بِالْيُمْنٰى فِي تِلْكَ الْقَوْمَةِ عَلٰى قَوْلِهِمَا خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ بِنَاءً عَلٰى وُجُوْدِ الذِّكْرِ الْمَسْنُوْنِ وَ إِنْ قَلَّ وَ قَوْلُ صَاحِبِ الْوَاقِعَاتِ أَوْجَهُ۔

ایک دوسری کی تفسیر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی وائل بن حجرؓ کی حدیث ابو داؤد ابن حبان وغیرہ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:۔

صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّفِّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَكَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي ثَوْبِهِ فَأَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ وَرَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ ثُمَّ رَكَعَ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَكَبَّرَ وَسَجَدَ ثُمَّ وَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ قَالَ ابْنُ جُحَادَةَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلْحَسَنِ فَقَالَ هِيَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَهُ مَنْ فَعَلَهُ وَتَرَكَهُ مَنْ تَرَكَهُ۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس جب آپ صف میں داخل ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور تکبیر کہتے۔ پھر کپڑا اوڑھ کر اپنے ہاتھ کپڑے میں کر لیتے۔ پھر الٹے ہاتھ کو سیدھے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پس جب رکوع کا ارادہ کرتے۔ تو دونوں ہاتھ کپڑے سے نکال کر رفع الیدین کرتے۔ اور تکبیر کہتے پھر رکوع کرتے۔ پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے۔ تو دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اور تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے۔ پھر اپنا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے۔ ابن جحادہ اس حدیث کے راوی کہتے ہیں۔ میں نے اس حدیث کا ذکر حسن بصریؒ کے پاس کیا۔ پس فرمایا۔ یہی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کیا اس کو جس نے کیا۔ اور چھوڑا اس کو جس نے چھوڑا۔

اس حدیث نے تصریح کر دی کہ ہاتھ باندھنے کا موقع رکوع سے پہلے ہے۔ رکوع

کے بعد ذکر نہیں۔ پس وہ اپنی طبعی حالت پر رہیں گے۔ جیسے شروع صد میں ذکر ہو چکا ہے نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عموماً تعلیم کے وقت ایک رکعت کا نقشہ کھینچا جاتا ہے باقی رکعتوں کو پہلی کے بیان پر حوالے کیا جاتا ہے۔ اگر کسی بات میں پہلی اور بعد کی رکعتوں میں فرق ہو۔ تو اس کا کسی نہ کسی حدیث میں الگ ذکر آجاتا ہے۔ جیسے تکبیر تحریمہ کے بعد اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ اور پہلی دوسری رکعت میں قرأت جہر اور پچھلی دونوں میں آہستہ پڑھنا وغیرہ۔ پس اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کہ پہلی رکعت میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ دوسری تیسری رکعت میں ہاتھ باندھنے کا ذکر کہاں ہے۔ صاحب رسالہ نے بھی ص۱۲ پر اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ پھر اس پر اعتراض کیا ہے۔ کہ "اس حدیث میں قیام اول میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ اور بعد رکوع کے اس کا ذکر نہیں۔ مگر تحمید و اعتدال کا بھی ذکر نہیں ہے۔ تو عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی۔ ورنہ تحمید اور اعتدال کی بھی نفی لازم آئے گی"۔

جواب اس کا یہ ہے کہ تحمید اور اعتدال کا ذکر دوسری احادیث میں آگیا ہے لیکن رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ پس وہ اپنی طبعی حالت پر رہیں گے۔ اور اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا۔ کہ احادیث کو ملاکر مطلب لینا چاہیے۔ کیونکہ موقعہ محل کے لحاظ سے کسی حدیث میں کوئی مسئلہ ذکر ہوتا ہے۔ اور کسی میں کوئی۔ پس سب کے ملانے سے بات مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے

كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ هٰكَذَا وَوَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِى الصَّلٰوةِ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ۔

یعنی حضرت ابو بکرؓ جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے۔ تو اس طرح کرتے راوی نے کہا۔ کہ نماز میں سیدھا ہاتھ اُلٹے ہاتھ پر رکھتے۔ اس حدیث کو امام ابن عبد البرؒ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اس روایت میں تصریح ہے کہ جب نماز کی طرف

کھڑے ہوتے تو اس وقت ہاتھ باندھتے (رکوع کے بعد نہیں۔) اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں حدیثوں میں ہاتھ باندھنے کے متعلق فی الصلوٰۃ کا لفظ آتا ہے۔ وہاں رکوع سے پہلا قیام مراد ہے۔ چنانچہ اس روایت میں فی الصلوٰۃ کے لفظ سے یہی مراد ہے جیسا کہ الی الصلوٰۃ کے لفظ سے ظاہر ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ سے روایت ہے۔

اَنَّهٗ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى رُسْغِهٖ فَلَا يَزَالُ كَذَالِكَ حَتّٰى يَرْكَعَ اِلَّا اَنْ يُّصْلِحَ ثَوْبَهٗ اَوْ يَحُكَّ جَسَدَهٗ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ

یعنی جب حضرت علی نماز کی طرف کھڑے ہوتے۔ تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے گٹ (پونہچے) پر رکھتے۔ پس ہمیشہ یہی حالت رہتی۔ یہانتک کہ رکوع کرتے۔ مگر یہ کہ اپنا کپڑا درست کریں یا اپنا بدن کھجلائیں۔ اس حدیث کو ابن عبد البرؒ نے روایت کیا ہے۔

اس روایت میں بھی تصریح ہے کہ جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے۔ تو اس وقت ایسا کرتے یعنی ہاتھ باندھتے اور فصل رابع مشکوٰۃ باب صفتہ الصلوٰۃ ص۷۶ میں بھی جریر ضبیؒ سے یہ روایت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ جَرِيْرِنِ الضَّبِّيِّ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى رُسْغِهٖ فَلَا يَزَالُ كَذَالِكَ حَتّٰى يَرْكَعَ مَا رَكَعَ اِلَّا اَنْ يُّصْلِحَ ثَوْبَهٗ اَوْ يَحُكَّ جَسَدَهٗ رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ

ترجمہ: جریر ضبیؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ نماز میں امامت کراتے تو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے گٹ (پونہچے) پر رکھتے۔ اور اسی

حالت میں رہتے۔ یہاں تک کہ رکوع کریں۔ جب کریں۔ مگر یہ کہ اپنا کپڑا ٹھیک کریں یا اپنا بدن کھجلائیں۔

اس روایت میں کلمہ حتّٰی کے ساتھ ہاتھ باندھنے کی حد رکوع بتلایا ہے۔ اور دو حالتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ ایک کپڑا ٹھیک کرنے کی حالت دوسرے بدن کھجلانے کی حالت۔ اگر رکوع سے اٹھ کر بھی ہاتھ باندھے ہوں۔ تو عبارت یوں ہونی چاہیے

فَلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَهْوِيَ لِلسُّجُوْدِ إِلَّا أَنْ يَّرْكَعَ أَوْ يُصْلِحَ ثَوْبَهٗ أَوْ يَحُكَّ جَسَدَهٗ

یعنی دو حالتوں کی جیسے استثنار کی ہے۔ اسی طرح رکوع کی حالت کی بھی استثنار کرتے اور ہاتھ باندھنے کی حد سجدہ کے لیے جھکنا بتلاتے۔ رکوع حد بتانا اور مابعد کو اس میں شامل نہ کرنا۔ یہ صاف دلیل ہے کہ قیام اور قومہ کا حکم ایک نہیں۔ پس اس روایت سے مسئلہ بالکل صاف ہوگیا۔ اور اکثر امت کا تعامل اس کا مؤید ہے۔

اس قسم کی اور روایات بھی ہیں۔ جن کے ذکر میں طوالت ہے۔ ہم انہیں پر کفایت کرتے ہوئے یہاں ایک قاعدہ لکھتے ہیں۔ جو صاحب رسالہ مذکور نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ بحوالہ مغنی اللبیب لکھتے ہیں۔ "کہ اکثر استعمال إذا کا شرطیہ میں ہوتا ہے مع ظرفیت کے زمانہ استقبال میں اور شاذ نادر کبھی ان معانی سے خروج کرتا ہے۔" اس کے بعد صاحب رسالہ لکھتے ہیں "جو استعمال کثیر اور غالب ہوتا ہے۔ وہ بجائے حقیقت کے سمجھا جاتا ہے۔ اور جو کبھی کبھی ہو وہ بجائے مجاز کے ہے۔ اور ضعیف احتمال کے لیے استعمال کثیر کا چھوڑنا نرمی عقل کی کوتاہی ہے۔" صـــ

حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں کلمہ إذا ہے۔ تو اس قاعدے کی بنا پر اس کا حقیقی معنی شرطیہ کا ہوگا۔ اور جب شرط کے معنے ہوئے۔ تو ہاتھوں کا باندھنا پہلے قیام کے ساتھ مقید ہوگیا۔ کیوں کہ شرط مشروط

کے لیے قید ہوتی ہے۔ پس رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کی نفی ہوگئی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاحب رسالہ نے یہ کہا ہے۔ کہ جن حدیثوں میں مطلق نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر آیا ہے اس سے قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنا مراد ہے۔ جیسے عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں۔

صَفُّ الْقَدَمَيْنِ وَ وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْيَدِ مِنَ السُّنَّةِ ۔

اخرجه ابوداؤد وغیرہ ۔

یعنی دونوں قدموں کا ایک سیدھ میں رکھنا اور ایک ہاتھ کا دوسرے ہاتھ پر رکھنا یہ سنت سے ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد وغیرہ نے ۔

اور اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوالدرداء سے روایت ہے ۔ مِنْ اَخْلَاقِ النَّبِيِّيْنَ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلٰوةِ ۔ یعنی نبیوں کے اخلاق سے ہے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا نماز میں ؎ اسی طرح مسند احمد میں حارث بن غطیف رض یا غطیف بن حارث رض سے روایت ہے۔ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ ۔ یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا۔ کہ آپ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے ہوئے تھے ؎ اسی طرح حضرت علی سے روایت ہے۔ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلٰوةِ ۔ یعنی دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا نماز میں سنت سے ہے اس قسم کی احادیث ذکر کر کے صاحب رسالہ لکھتے ہیں۔ ان سب اطلاقات کی باقاعدہ مقید کرنے والی حدیث وہ ہے جس کو ہم بروایت نسائی اور طبرانی نقل کر آئے ہیں۔ اور اسی کا مؤید ہے اثر حضرت ابوبکر صدیق رض کا۔ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ هٰكَذَا وَوَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ ۔ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ ۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رض جب نماز میں کھڑے ہوتے۔ تو اس طرح کرتے اور راوی نے کہا۔ کہ نماز میں سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر رکھتے۔ اس حدیث کو امام ابن

عبد البرؒ نے روایت کیا ہے

اس حدیث سے اتنا ثابت ہوا کہ کھڑے ہوتے ہی ہاتھ باندھتے تھے۔ اوّل ارسال نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

اَنَّہٗ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَضَعَ یَمِیْنَہٗ عَلٰی رُسْغِہٖ فَلَا یَزَالُ کَذٰلِکَ حَتّٰی یَرْکَعَ اِلَّا اَنْ یُّصْلِحَ ثَوْبَہٗ اَوْ یَحُکَّ جَسَدَہٗ۔ اَخْرَجَہٗ اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ۔

یعنی حضرت علیؓ نماز کو کھڑے ہوتے۔ تو اپنا سیدھا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے پونچے پر رکھ دیتے۔ یہاں تک کہ رکوع کرتے۔ یعنی اس اثنا میں ہاتھوں کو کھولتے نہ تھے۔ مگر یہ کہ اپنا کپڑا درست کریں یا اپنا بدن کھجلائیں۔ اس حدیث کو امام ابن عبد البر نے روایت کیا ہے۔ رسالہ مذکورہ صہ ۱۵۔

نسائی اور طبرانی کی روایتیں صہ ۳۴ پر گذر چکی ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی روایتیں بھی اگرچہ صہ ۳۶/۳۷ پر گذر چکی ہیں۔ لیکن یہاں صاحب رسالہ کی عبارت نقل ہونے کی وجہ سے دوبارہ ذکر ہو گئیں۔ ان روایات سے صاحب رسالہ نے فی الصلوٰۃ کے لفظ کو قیام کے ساتھ مقید کیا ہے۔ یعنی جن روایتوں میں فی الصلوٰۃ آیا ہے۔ ان سے مراد قیام کی حالت میں ہاتھوں کو باندھنا ہے۔ نہ قعود وغیرہ کی حالت میں۔ لیکن یہ کس قدر تعجب کی بات ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی کی روایتوں میں رکوع سے پہلے قیام مراد ہے۔ اسی طرح حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث اِذَا دَخَلَ فِی الصَّفِّ میں بھی رکوع سے پہلے قیام مراد ہے تو پھر جن روایات میں فی الصلوٰۃ ہے ان سے مطلق قیام کی حالت مراد لینا کیوں کر صحیح ہو گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ کہ فی الصلوٰۃ کے لفظ سے قبل از رکوع قیام مراد ہے۔ اس کے علاوہ اور سنیئے جب مطلق قیام کا استعمال ہو تو قیام قبل از رکوع مراد ہوتا ہے۔ نہ بعد از رکوع۔ اس کے متعلق روایتیں بہت ہیں۔ جیسے

مشکوٰۃ شریف باب قیام اللیل فصل اول صـ۱۱۳ میں ہے۔ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ اَطَالَ فِیْهِمَا الْقِیَامَ وَالرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ۔ یعنی رسول ؐ نے دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع، سجدہ لمبا کیا۔ یہاں قیام سے مراد پہلا قیام ہے۔ چنانچہ رکوع سجود کے مقابلے ظاہر ہے۔ کیونکہ آپ کی نماز کے متعلق روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قیام بین الرکوع والسجدہ لمبا ہوتا تو جلسہ بین السجدتین بھی لمبا ہوتا۔ لیکن جلسہ بین السجدتین کے لمبا ہونے کو یہاں بیان نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختصر تھا۔ پس ایسا ہی قیام بین الرکوع والسجدہ کو سمجھیں۔ اسی طرح مشکوٰۃ شریف باب القرأۃ فی الصلوٰۃ فصل اول صـ۷۹ میں ہے ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں۔

كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الٓمّٓ۔ السَّجْدَةِ۔ الحديث۔

یعنی ظہر عصر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے۔ پس ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں ہم نے آپؐ کے قیام کا اندازہ سورہ سجدہ قدر کیا۔

یہاں بھی قیام سے مراد قیام قبل الرکوع ہے۔ اس قسم کی اور روایات بھی ہیں لیکن بہت بھرمار کرنے کی بجائے صرف وہی دو حدیثیں ملاحظہ ہوں جو صاحب رسالہ نے خود ہی صفحہ ۱۳، ۱۸ پر ذکر کی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں صحیحین میں ہے۔

حدیث اوّل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

رَمَقْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَوَجَدْتُّ قِيَامَهٗ فَرَكْعَتَهٗ فَاعْتِدَالَهٗ بَعْدَ رُكُوْعِهٖ فَسَجْدَتَهٗ

فَجَلْسَتَهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ فَسَجْدَتَهُ فَجَلْسَتَهُ مَا بَيْنَ التَّسْلِيْمِ وَالْإِنْصِرَافِ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ

ترجمہ: یعنی میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کے دیکھی تو یہ پایا کہ آپ کا قیام پھر رکوع پھر سیدھا ہونا بعد رکوع اپنے کے اور پھر سجدہ آپ کا۔ پھر جلسہ آپ کا درمیان دو سجدوں کے پھر سجدہ آپ کا۔ پھر جلسہ آپ کا درمیان سلام کے اور قبلہ سے پھر بیٹھنے کے یہ سب تقریباً برابر تھے۔

دوسری حدیث۔ بخاری شریف جلد اول ص۱۰۹ باب حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوْعِ وَالْاِعْتِدَالِ فِيْهِ وَالْاِطْمَانِيْنَةِ میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ۔

ترجمہ: حضرت برا (ابن عازب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان اور جب رکوع سے سر اٹھاتے سوا قیام (قبل از رکوع) اور قعود (تشہد) کے یہ سب قریب قریب برابر تھے۔

پہلی حدیث صاحب رسالہ نے صفحہ ۱۳ پر پوری نقل کی ہے اور دوسری پوری نقل نہیں کی۔ ص۱۵ پر صرف اس کا اخیر کا ٹکڑا مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ ذکر کیا ہے پھر اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں میں تعارض ہے۔ کیوں کہ پہلی حدیث میں قیام قبل از رکوع کو رکوع اور اعتدال (رکوع سے اٹھ کر سیدھا ہونا) وغیرہ کے قریباً برابر کہا ہے۔ اور دوسری حدیث میں قیام قبل از رکوع کو رکوع اور اعتدال وغیرہ سے الگ کر دیا ہے اور تشہد کے ساتھ ملا دیا ہے۔ یعنی جیسے تشہد لمبا ہوتا ہے۔ ایسے

قیام قبل از رکوع بھی لمبا ہوتا ہے۔ پھر کہا ہے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیث (اکیلے) بخاری کی حدیث پر مقدم ہے۔ اس سے صاحب رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ قیام اور اعتدال قریباً برابر ہیں۔ تو پھر اعتدال میں بھی ہاتھ باندھنے چاہییں۔ کیونکہ وہ بھی برابر کا قیام ہے۔ لیکن صاحب رسالہ کا ان میں تعارض بتانا غلطی ہے۔ درحقیقت ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ قیام قبل از رکوع اکثر لمبا ہوتا ہے۔ اور کبھی چھوٹا بھی ہوتا ہے مثلاً صبح کی رکعتوں میں اکثر لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور ظہر کی پہلی رکعت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت لمبی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قضائے حاجت والا جنت البقیع سے فارغ ہو کر پہلی رکعت پا لیتا۔ اور عصر کی رکعتیں ظہر سے نسبتاً چھوٹی ہوتی تھیں۔ اور ظہر کی پہلی رکعتوں کا اندازہ سورہ سجدہ کے برابر بھی آیا ہے اور پچھلی اس سے نصف اور عصر کی دو پہلی ظہر کی دو (۲) پچھلیوں کے برابر اور پچھلی اس سے نصف اور عشا میں بھی اکثر واللیل اذا یغشیٰ وغیرہ سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور رکوع سجدہ میں آپ اندازاً دس تسبیحیں پڑھا کرتے تھے۔ اور اعتدال اکثر رکوع سجدہ کے اندازہ پر ہوتا تھا

اس بنا پر قیام قبل از رکوع کو تشہد کے ساتھ ملا دیا۔ اور مغرب کی نماز میں قیام قبل از رکوع تھوڑا ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ دوسری نمازوں میں بھی قیام قبل از رکوع تھوڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ صبح کی نماز میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس وغیرہ پر اکتفا کی ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ وغیرہ۔

اس بنا پر قیام قبل از رکوع کو رکوع اور اعتدال وغیرہ کے ساتھ ملا دیا۔ خلاصہ یہ کہ دونوں حدیثیں اپنے اپنے مقام پر درست ہیں۔ ہمارا مقصد ان دونوں روایتوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مطلق قیام بولیں تو قیام قبل از رکوع مراد ہوتا ہے۔ اور بعد رکوع سیدھے ہونے کو اعتدال کہا جاتا ہے۔ اگرچہ لغوی معنی کے لحاظ سے وہ بھی قیام ہے۔

اس بنا پر جن احادیث میں مطلق قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد قیام قبل از رکوع ہوگا۔ پس نسائی اور طبرانی اور دار قطنی کی حدیث جس میں مطلق قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ اس سے بعد از رکوع ہاتھ باندھنے پر استدلال غلط ہوگیا۔ بلکہ وہ ہماری دلیل ہوئی۔ اس کے علاوہ صاحب رسالہ نے جو قاعدہ ذکر کیا ہے۔ کہ جو استعمال کثیر اور غالب ہوتا ہے۔ وہ بجائے حقیقت کے سمجھا جاتا ہے۔ اور جو کبھی کبھی ہو۔ وہ بجائے مجاز کے ہے۔ یہ قاعدہ بھی چاہتا ہے۔ کہ مطلق قیام سے قیام قبل ازرکوع مراد ہو۔ کیونکہ براء بن عازبؓ کی دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوگیا۔ کہ مطلق قیام سے خاص مراد ہوتا ہے۔ اور مطلق سے خاص مراد ہونے کی وجہ یہی ہے کہ مطلق کا استعمال خاص میں زیادہ ہے۔ جیسے ابن عباس بولیں تو عبداللہ بن عباس مراد ہوتے ہیں۔ فضل بن عباس وغیرہ مراد نہیں ہوتے۔ اسی طرح ابن عمر بولیں۔ تو عبداللہ بن عمر مراد ہوتے ہیں۔ عبیداللہ بن عمر وغیرہ مراد نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابن عباس کا استعمال عبداللہ بن عباس میں اور ابن عمر کا استعمال عبداللہ بن عمر میں زیادہ ہے۔ پس قیام کا استعمال جب قیام قبل ازرکوع میں زیادہ ہوا۔ تو قاعدہ مذکورہ کی بنا پر یہ حقیقت ہو گیا۔ اور بعد ازرکوع مجاز ہوا۔ حقیقت کے مقابلے میں مجاز کوئی چیز نہیں۔ اس بنا پر بھی حدیث نسائی، طبرانی، دار قطنی وغیرہ ہماری دلیل ہوئی نہ کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والوں کی۔

اعتدال کو قومہ کیوں کہتے ہیں؟

کتاب الام جلد اول صفحہ ۹۵ میں امام شافعی فرماتے ہیں رکوع سجود میں کم سے کم جو تین تسبیحات حدیث میں آئی ہیں۔ یہ مستحب ہیں۔ یعنی رکوع و سجود اس سے کم وقت میں ادا ہو جاتا ہے[1]۔ اور فصل رابع مشکوٰۃ شریف تصنیف نواب صدیق الحسن خاں صاحب

---

[1] امام شافعی رح کی اصل عبارت یہ ہے۔ تین تسبیح والی حدیث ذکر کرکے فرماتے ہیں اِنْ کَانَ هٰذَا ثَابِتًا فَاِنَّمَا يَعْنِي وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ اَدْنٰى مَا يُنْسَبُ اِلٰى كَمَالِ الْفَرْضِ وَالْاِخْتِيَارِ مَعًا لَا كَمَالَ الْفَرْضِ وَحْدَهٗ (کتاب الام جلد۱

ص۴۶ میں بحوالہ ابن ابی شیبہ حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ ضرورت کیوقت ایک تسبیح بھی کافی ہے مطلب یہ کہ رکوع سجدہ میں جو اطمینان کا حکم آیا ہے۔ وہ تو صرف اتنا ہے کہ ہر ایک جوڑ میں سکون پیدا ہوجائے۔ جس میں کم سے کم ایک دو تسبیح پڑھی جا سکتی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جھکتے ہی سر اٹھا لے۔ اس سے رکوع سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ جیسے کہ حنفیوں کا خیال ہے۔ کہ رکوع صرف جھکنے سے اور سجدہ صرف زمین پر سر لگانے سے ہوجاتا ہے۔ اور جلسہ بین السجدتین کے لیے بھی مسیئ الصلوٰۃ وغیرہ کی حدیث میں اطمینان کا لفظ آیا ہے اور قیام بعد رکوع کے لیے لفظ استواء کا اور ہڈیوں کا اپنے جوڑوں کی طرف لوٹنے کا ذکر ہے۔ تو ان کا بھی ادنیٰ اندازہ اتنا ہی ہوا جتنا رکوع سجدہ کا۔ باقی زائد مستحب میں شامل ہے۔ رہا رکوع سے پہلا قیام۔ تو اس میں صرف استواء یا اطمینان کافی نہیں بلکہ وہ کم سے کم اتنا لمبا ہونا چاہیے۔ کہ اس میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ بلکہ حنفیہ کے نزدیک کسی اور سورت کا ملانا بھی سورۃ فاتحہ کی طرح واجب ہے۔ پس وہ رکوع سجدہ اور جلسہ بین السجدتین سے بہت لمبا ہوگا۔ اس بنا پر پہلے قیام کو قومہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ قومہ کے معنیٰ عربی زبان میں ایک دفعہ کھڑا ہونے کے ہیں۔ اور وہ (رکوع سے پہلا قیام) ایکدفعہ کھڑا ہونا نہیں۔ بلکہ وہ کئی دفعہ کھڑا ہونے کے برابر ہے۔ ہاں قیام بعد رکوع کو قومہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے جیسے جلسہ بین السجدتین اپنی حقیقت کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس پر جلسہ کا لفظ بولتے ہیں اس کے معنیٰ عربی میں ایک دفعہ بیٹھنے کے ہیں۔ اسی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقہا نے قیام بعد رکوع کا نام قومہ رکھا ہے۔ تاکہ اس کی حقیقت واضح ہوجائے کہ وہ پہلے رکوع سے قیام کی طرح نہیں۔ بلکہ وہ جلسہ بین السجدتین کی طرح ہے۔ صاحب رسالہ نے کئی جگہ اس پر اعتراض کیا ہے۔ کہ یہ قومہ کا لفظ محدث اور بدعت ہے۔ لیکن صاحب رسالہ نے فقہا کے مقصد پر نظر نہیں کی۔ کہ جیسے فرض واجب سنت وغیرہ کے الفاظ مختلف

احکام پر بولے جاتے ہیں۔ اور مقصد ان سے یہ ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث سے ان احکام کے مراتب جو ثابت ہوتے ہیں۔ ان کو ان ناموں سے بیان کر دیا جائے۔ مثلاً احادیث سے ثابت ہے کہ فاتحہ بغیر نماز نہیں۔ تو اس کو اس لفظ سے بیان کر دیا جاتا ہے۔ کہ فاتحہ فرض ہے۔ لیکن احادیث میں فاتحہ کے لیے فرض کا لفظ نہیں آیا۔ لیکن فرض کا جو مطلب ہے وہ آیا ہے۔ یعنی اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ ایسے ہی قومہ کے لفظ کو سمجھ لیں۔ اگرچہ لفظ قومہ کا نہیں آیا۔ لیکن جو اس سے مطلب ہے۔ وہ آگیا ہے۔ یعنی تھوڑا سا کھڑے ہونا۔ جس میں پورا سکون ہو جائے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قومہ کو لغوی معنیٰ سے قیام کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اصل قیام رکوع سے پہلے ہے۔ پس جب احادیث میں مطلق قیام آئے۔ تو اس سے پہلا قیام مراد ہوگا۔ پس قیام میں جو ہاتھ باندھنے کی احادیث ہیں۔ وہ اسی پر محمول ہوں گی۔ یہ ایک ایسا اٹل اصول ہے جو ہر طرح سے عقل و نقل کے موافق ہے۔ جب تک اس کے خلاف کوئی صریح دلیل نہ ہو۔ اس اصول کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ آج کل لوگ اپنی طرف سے قرآن و حدیث میں تصرف کرتے ہیں۔ اور جو اپنی رائے میں آتا ہے۔ اس کو قرآن و حدیث بنا لیتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ جیسے قرآن و حدیث ہم نے سلف سے لیا ہے۔ اس کی تفسیر اور اس کے مطالب بھی پہلے لوگوں سے لیں۔ کیوں کہ انہوں نے ہمیں صرف الفاظ ہی نہیں پہنچائے۔ بلکہ پوری تفسیر و تشریح بھی پہنچائی ہے۔ ان کا یہ اصول تھا۔ کہ مختلف روایتیں جمع کر کے نتیجہ نکال لیتے۔ اسی طرح قرآن کی تفسیر قرآن اور احادیث کے ساتھ اور اس کے بعد تفسیر صحابہؓ سے کرتے۔ اس اصول کا سختی سے پابند رہنا چاہیے۔ واللہ الموفق۔

لہ اس بنا پر تشہد کو قعدہ کہنا ٹھیک نہیں۔ اگر کہیں آیا ہو۔ تو وہ شرعی اصطلاح میں مجاز ہوگا۔ جیسے رکعت کا لفظ رکوع کے معنی میں شرعاً مجاز ہے۔ اور پوری رکعت میں لغتاً مجاز ہے۔ فافہم۔ ح۔ ۱۲۔

نوٹ بعض لوگ کسوف کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ نماز کسوف میں کئی رکوع ہوتے ہیں۔ پہلے رکوع سے اٹھ کر پھر قرارت شروع کرتے ہیں۔ اور اس میں ہاتھ باندھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے چاہییں۔ یہ ڈبل غلطی ہے۔ نماز کسوف میں رکوع کے بعد جو قیام ہوتا ہے وہ اصلی قیام کے قائم مقام ہوتا ہے۔ گویا پہلے رکوع کو کالعدم قرار دے کر نئے سرے سے قیام ہوتا ہے۔ اسی لیے اس میں قرارت بھی ہوتی ہے۔ بلکہ بہت سے علماء فاتحہ کے بھی قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۳ صـ۲۲۴ باب الجھر بالقراءۃ فی صلوٰۃ الکسوف وغیرہ۔ نیز اس کے بعد پھر رکوع ہوتا ہے اور زیر بحث وہ قیام ہے۔ جس کے بعد سجدہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اس میں قرأت نہیں ہوتی۔ جس کو فقہا کی اصطلاح میں قومہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابھی ذکر ہوا ہے۔

تنبیہ یہ بات یاد رہے کہ بعض لوگ اس بارے میں بے احتیاطی بہت کرتے ہیں۔ بعض موقعہ پر ایسی روایتیں بھی نقل کر دیتے ہیں۔ جن میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ لیکن عوام اس سے دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ شاہ بدیع الدین پیر جھنڈا سندھی نے سندھی زبان میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے متعلق جو رسالہ لکھا ہے۔ اس کے صـ۱۴ میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے پر یہ حدیث پیش کی ہے:۔

عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِیِّ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَبَّرَ حِیْنَ دَخَلَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَحِیْنَ اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَحِیْنَ رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ ۔ الحدیث (مسند احمد صـ۳۱۶ جلد ۴)

حضرت وائل (بن حجرؓ) الحضرمی سے روایت ہے۔ کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی پس آپؐ نے تکبیر کہی۔ جب کہ داخل ہوئے۔ (نماز میں) اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور جبکہ ارادہ کیا یہ کہ رکوع کریں تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھایا۔ تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دونوں ہتھیلیاں رکھیں۔

اس حدیث میں اخیر کا لفظ کہ "دونوں ہتھیلیاں رکھیں" اس سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ دونوں ہتھیلیوں کا رکھنا زمین پر مراد ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جن الفاظ کو حذف کر دیا ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں زمین پر سجدے میں رکھنا مراد ہے۔ چنانچہ پوری عبارت یوں ہے

• وَوَضَعَ كَفَّيْهِ وَجَافَى وَفَرَشَ فَخِذَهُ الْيُسْرٰى وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ

یعنی دونوں ہتھیلیاں رکھیں اور پہلوؤں سے دُور کیا۔ اور بائیں ران بچھا دی اور اشارہ کیا ساتھ انگلی اپنی سبابہ کے۔

اس حدیث میں اختصار بہت ہے۔ پہلوؤں سے دور کرنے سے مراد ہاتھوں کا دور کرنا ہے۔ جو سجدے کی حالت ہے۔ اور سجدے میں ہتھیلیاں زمین پر رکھی جاتی ہیں۔ اور بائیں ران کا بچھانا، یہ قعدے کی حالت ہے۔ اور بائیں ران کے بچھانے کا مطلب یہ ہے کہ دائیں ران نہیں بچھائی اور اس قعدے کی حالت میں سبابہ انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔ مولوی بدیع الدین صاحب نے اخیر کا ٹکڑا حذف کرتے ہوئے اس حدیث کو بعد رکوع ہاتھ باندھنے کی دلیل بنا لیا۔ اس کے علاوہ مولوی بدیع الدین صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ حدیث مسند احمد کی ہے۔ تو اگر اس حدیث سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا۔ تو امام احمد اس کی مخالفت کیوں کرتے۔ حالانکہ

ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے چنانچہ صفحہ ۱۵ پر تفصیل گذر چکی ہے۔ اس قسم کی بے احتیاطی علماء کی شان کے لائق نہیں۔ خدا بچائے آمین۔ تنبیہ: آجکل ایک اور نیا فرقہ پیدا ہوا ہے وہ نہ ہاتھ چھوڑتے ہیں اور نہ باندھتے ہیں بلکہ سجدہ جانے تک ہاتھ کانوں تک اٹھائے رکھتے ہیں اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو بخاری و مسلم میں ہے وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" یعنی جسوقت رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے جیسے رکوع کو جانے کیوقت اٹھاتے تھے اور کہتے سمع اللہ الخ"۔ اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سمع اللہ الخ رفع کی حالت میں کہتے تو گویا سمع اللہ الخ اخیر تک ہاتھ اٹھائے رکھنے چاہییں۔ یہ مطلب آجتک کسی نے بھی بیان نہیں کیا۔ یہ بالکل سلف کے خلاف ہے بلکہ دوسری احادیث بھی اس کے خلاف ہیں۔

مسیئ الصلوٰۃ کی حدیث میں ہے جسکے راوی ابوحمید انساعدی ہیں۔ رَكَعَ ثُمَّ اعْتَدَلَ فَلَمْ يُصَبِّ رَأْسَهُ وَلَمْ يُقْنِعْهُ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ رَفَعَ وَاعْتَدَلَ حَتّٰى رَجَعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا (مسند احمد جلد ۵ ص ۴۲۴) ترجمہ "پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا۔ پھر ٹھیک ہو گئے پس نہ سر کو نیچے کیا اور نہ اٹھائے رکھا اور دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے پھر کہا سمع اللہ لمن حمدہ الخ پھر سر اٹھایا اور ٹھیک ہو گئے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے آگئی اس حال میں کہ آپ ٹھیک ہونے والے تھے۔

اس روایت میں سمع اللہ لمن حمدہ پہلے کہنے کا ذکر ہے۔ پھر سر اٹھانے کا پس یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔ کہ سمع اللہ الخ رفع کی حالت میں ختم ہونا چاہیئے پس اصل یہ ہے کہ اس میں کوئی پابندی نہیں کہ ضرور سمع اللہ الخ رفع کی حالت میں ہو۔ بلکہ آگے پیچھے ہونے کا کوئی حرج نہیں۔ رہا سجدہ جانے تک ہاتھ اٹھائے رکھنا تو یہ محدث اور نیا مذہب ہے سلف سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ایسے لوگوں سے بچنا چاہیئے۔ آمین۔